سُلگتا صحرا

(۱۰۰ اُردو غزلیں)

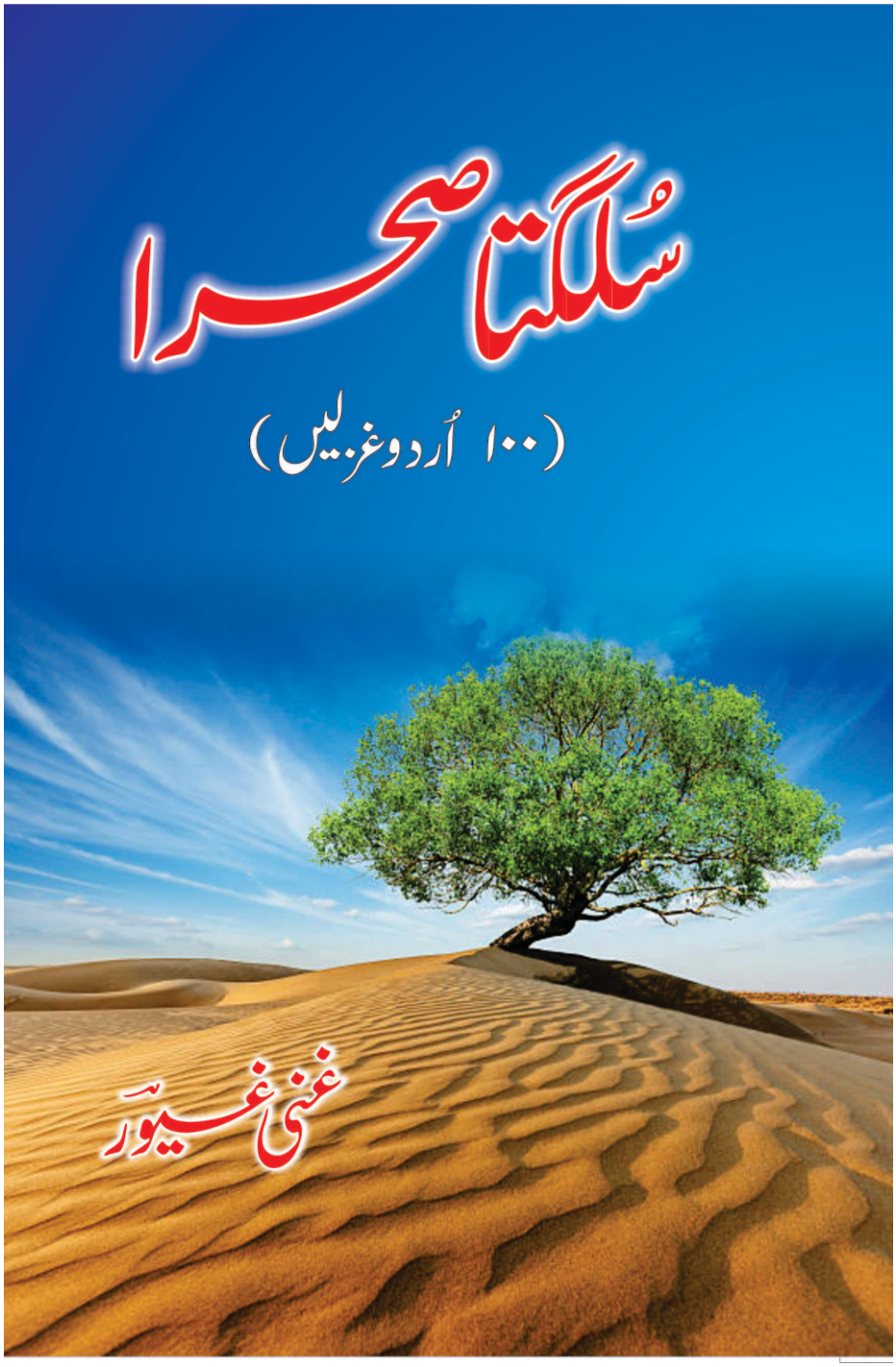

غنی غیورؔ

سُلگتا صحرا

(۱۰۰ اُردو غزلیں)

غنی غیورؔ

SULAGTA SAHRA

(100 Urdu Ghazals of Ghani Ghayoor)

Visit: http: //abdulghanijagil.com

Ghani Ghayoor

Revised and Expanded IInd Edition

February 2025

ISBN : 978-93-93271-48-8

Price : 500/-

نام کتاب : سلگتا صحرا (نظر ثانی شدہ و اضافہ شدہ ایڈیشن)

مصنف : عبدالغنی جاگل (غنی غیورؔ)

سن اشاعت دوم : فروری ۲۰۲۵ء

تعداد : 300

قیمت : 500/-

کمپوزنگ : فوزیہ کمپیوٹر سنٹر جموں 9906063200

پبلشر : میزان پبلشرز، سرینگر کشمیر

پتہ

Top Hill, Near Green Valley Colony
Upper Jallalabad Sunjwan, Jammu
Pin Code 181152
Mobile No. +91-9419791802 | 7889837758

فہرست

غنی غیور کی شاعری : ایک تنقیدی جائزہ _____ 9
حمد باری تعالیٰ _____ 15
نعت رسول مقبول صلعم _____ 16
سر بسر حمدِ باری تعالیٰ ہے پھول _____ 17
سمندر میں تو لنکا چھوڑ جانا _____ 18
دیا سورجوں کو دکھانا غلط ہے _____ 19
ہو گئے ختم سب لطیفے ہیں _____ 20
صاحبِ حسن و جلیل ابھی _____ 21
بہت مقبول منتر ہو گئے ہیں _____ 22
اس گھٹن میں جیا نہیں جاتا _____ 23
دوست ہو مثل گل، ہوا جیسا _____ 24
ظرف کے ہی مطابق مقدر دیے _____ 25
اک تماشا گلاب میں دیکھا _____ 26
پرندہ آب و دانہ ڈھونڈتا ہے _____ 27
شام تک بند رہتا ہے کمرہ مرا _____ 28

تجھے چھوڑ کر جو گیا ہی نہیں _____ 29

شاخ در شاخ زیر و زبر کر گئی _____ 30

ہمارے حوصلوں نے پر نکالے _____ 31

مٹھیوں میں ہی پانی پکڑنا پڑا _____ 32

کھوٹا سکّہ کوئی لے، ممکن نہیں _____ 33

کنارے دوریاں تھیں اور کیا تھا _____ 34

پھر کوئی لمبی دوڑ دے مجھ کو _____ 35

آنسوؤں کو روکتا ہوں دیر تک _____ 36

گر چلیں تو کدھر جائیں کریں کیا _____ 37

ٹانگوں پر وہ کھڑا نہیں ہوتا _____ 38

جتنا اوپر بڑھا ہوا ہے میاں _____ 39

کسی قابل سمجھتا ہی نہیں ہے _____ 40

بے بدَل اُس کو اور جدا دیکھا _____ 41

طور پہلے کے اور طریقے میاں _____ 42

قلبِ غمگیں دیدۂ گریاں تو دیکھ _____ 43

عمر اس کی ہے بیس سال غضب _____ 44

ایک پودا لگا نہیں سکتا _____ 45

بہت جھوٹا ہے یہ سنسار پیارے _____ 46

رعب لوگوں پر جماتے بھی تو کیا _____ 47

کوئی خطرہ نہیں زوال نہیں _____ 48

نہیں ڈرتا تمہاری قدغنوں سے _____ 49

یہ گلہ ہے ہنر نہیں دیتا _____ 50

اب مزے ہی نہیں ہیں جینے کے _____ 51

کہیں جانے کا بھی اشارہ نہیں ہے _____ 52

اس لئے ہارتا نہیں شاید _____ 53

رہتے ہیں سوچوں کے دفتر میں پڑے _____ 54

کہ شاخِ شوق چھلنا چاہتی ہے _____ 55

راستوں میں جو کچھ شجر ہوتے _____ 56

رفعتوں کے وہ سب راستے بند ہیں _____ 57

قاعدے اگلوں کے لغات فضول _____ 58

ہُوا ہے چاک پیراہن، گریباں اور ہونے دو _____ 59

زندگی اک بہتا دریا کوئی اُس کا کیا کرے _____ 60

ہم پر ہزار فتنوں کی یلغار دیکھئے _____ 61

تیرے پڑوس میں کوئی لمحہ بتا سکوں _____ 62

عدل کا ہے یہ تقاضا مت کہو _____ 63

کیا بتاؤں میں نے کیا ہے دیکھا* _____ 64

خطۂ دل ہرا نہیں ہوتا _____ 65

سبھی سے برگزیدہ بھی ہمیں تھے _____ 66

یہاں سائے کا سایہ ہی نہیں ہے 67
شجر کا آخری پتّا اڑا ہے 68
حسن کی سرکار دیکھ 69
بستی تیری صحرا تیرا 70
نیل، دجلہ، فرات کی باتیں 71
ہمارے واسطے آرائشیں تھیں 72
بے ریا اعتکاف کرنا تھا 73
زندگی کا سراغ دے مجھ کو 74
طعنے ہم کو دیے جائیں گے دیکھنا 75
جیب اپنی بھرا نہیں کرتے 76
خاک در خاک صورتیں اور ہم 77
غم امڈتا چناب ہے بابا 78
نامکمل سی کہانی ہے میاں 79
دیکھے نہیں کرشمے اُس اندازِ چال کے 80
جلوہ اپنا دکھا گیا کوئی 81
بھیڑ کا رخ ہے بڑے گھر کی طرف 82
کعبہ کعبہ تُو دیر دیر نہ کر 83
ایک پامال دستور پھر 84
سخاوت غم پرائے بانٹتی ہے 85

کوئی خیر کا سلسلہ بھی نہیں ہے _____ 86

لگا کر دل کیا کب کام بابا _____ 87

تصوف کے مسائل جانتا ہے _____ 88

چاند کو جستجوئے سفر دے گیا _____ 89

ہر طرف چھائی تیرگی سی ہے _____ 90

بڑا چالاک ہے عیار بھی ہے _____ 91

وہ اک مَشرَب جو ناقص کے پیالوں میں نہیں آتا _____ 92

نایاب تھے یہ نسخے پرانے ملے مجھے _____ 93

حقیقت نہیں داستاں کے برابر _____ 94

مقدس ایک تیرا آستاں ہے _____ 95

مرحلوں میں رہنے والا زندہ ہے _____ 96

بن گئیں آنکھیں بہانہ خوب ہے _____ 97

اڑ رہا ابر کا کہیں ٹکڑا _____ 98

چراغِ عقل لو دینے لگا تھا _____ 99

سبز شاخِ ہنر رہے گی سبز _____ 100

نئی آواز میں نغمہ نکالا ہے _____ 101

بے پیئے ہی چڑھا خمار مجھے _____ 102

خدا سے تنگ ہے پر بیچتا ہے _____ 103

بے نشان ہو کے بھی نشان ہوئے _____ 104

اندھا ہوں میں آنکھیں اُگی ہیں چھڑی سے _____ 105

مجھ پہ بارش کسی خیال کی ہے _____ 106

چوم لی قبر میں نے سرمد کی _____ 107

نانِ جو یا کُباب سب یکساں _____ 108

خوش ہوں ہر سال میں خسارے پر _____ 109

جانتے تھے اسے سب حجر جو کہ تھا _____ 110

شوق نے ابرو، نکیلے کر دیے _____ 111

رنگ لایا ہے معلوم فاقہ مرا _____ 112

نام میرے آخری وہ جام تک کر ہی گیا _____ 113

لوگ پابند ضابطوں میں رہے _____ 114

ہم سے وعدہ وفا کرے کوئی _____ 115

کہاں بے خوف جی سکی نیکی _____ 116

خوشی ایک مالا غمی ایک مالا _____ 117

دلِ بے تاب سے باہر نہ آیا _____ 118

میرے ہمراہ ہے ہمسفر میرا _____ 119

جان باقی ہے وہ، حسیں ہے ابھی _____ 120

سلگتا صحرا : غنی غیور کی شاعری کا نیا پڑاؤ

غنی غیور کی ادبی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ وہ شاعر ہونے کے ساتھ ایک اچھے اور سلجھے نقاد، شارح اور محقق بھی ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ شاعر یا تو شاعری سے مایوس ہو کر تنقید میں قسمت آزماتا ہے یا پھر چونکہ ہر شاعر کے اندر ایک نقاد موجود ہوتا جو اس کی راہبری کرتا ہے، وہ ناقد شاعر پر حاوی ہو کر اس کی شعری شخصیت کو کنارے پر رکھ کر آگے نکل جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں نقصان شاعری کا ہی ہوتا ہے۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ غنی غیور اس صورت کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ان کے تنقیدی ذہن نے ان کی شعری کائنات کی تشکیل میں نہ صرف معمار کا کردار ادا کیا ہے بلکہ اس کائنات کی تہذیب و ترتیب میں کا کارنامہ بھی انجام دیا۔

شاعر کے لئے یہ آسان نہیں کہ اس کے اندر چھپا ہوا نقاد اس کی شعری کائنات کی تہذیب کا کام اپنے ہاتھ میں لے کیونکہ اکثر شاعروں کی ناقدانہ حیثیت یا تو معصوم ہوتی ہے یا پھر غیر تربیت یافتہ۔ غنی غیور کی ناقدانہ حیثیت ہر دو عیوب سے پاک ہے۔ ان کی تنقیدی ذہن نہ صرف تربیت یافتہ ہے بلکہ ترقی یافتہ بھی ہے۔ یہ کوئی آسان بات نہیں کہ شاعر کا تنقیدی شعور بیدار اور بالیدہ ہو کر اس کی تخلیقات سے سروکار رکھے۔ اس میں کئی خطرے ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے ہی فن پاروں پر سوال اٹھاتا ہے۔ ان کی فنی اور تخلیقی ساخت پر اعتراض کرتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ فن کی ارتقائی نہج پر

کسی قسم کا سکتہ برداشت نہیں کرسکتا۔ اور اس سے بڑی بات یہ کہ ان سب چیزوں کا اجتماع ایک جینون شاعر کی شاعرانہ شخصیت کے اندر ہی نمود پاتا ہے۔ اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے خوشی ہوتی ہے کہ غنی غیور ایک جینون شاعر کے طور پر ہر فنی اور تخلیقی معیار پر اترتے ہیں اور اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کی شاعری نہ یک رخی ہے اور نہ اکہری۔ ان کے خیالات میں نہ جمود ہے اور نہ ان کے بیان میں یک رنگی۔ وہ نہ صرف مضمون کی ندرت کا شعور رکھتے ہیں بلکہ اظہار کے وسائل میں بھی نئی راہوں پر چلنے کی ہمت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کی شاعری ان کے ذہن کی جستجو کا ایک ایسا سفر نامہ ہے جس کے ہر پڑاؤ پر چونکا دینے والے مناظر سے پردہ کشائی ہوتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ مناظر صرف اور صرف غنی غیور کی ملکیت ہے، کسی اور کا اس ملکیت پر اجارہ نہیں۔ شاعر بڑی مشکل سے اس مقام تک پہنچتا ہے۔

غنی غیور شعری منطق اور فنی ضوابط سے کسی بھی مقام پر دستبردار نہیں ہوتے۔ وہ نہایت شدید جذبات سے فن اور اسلوب کے درمیان تضادات کو حل کرتے ہیں۔ یہ وہ تہذیبی عمل ہے جسے میں غنی غیور کا انفراد اور اختصاص مانتا ہوں۔ کیونکہ یہ بت تراشی کا وہ عمل ہے جس میں پتھر پر چوٹ لگے بغیر ایک پورا وجود تشکیل پاتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ غنی غیور کا گلستان سخن خس و خاشاک سے پاک و صاف ہے۔ ان کی شاعری نہ صرف مضمون بلکہ اظہار کی سطح پر بھی موسم کی طرح بدلتی رہتی ہے۔

غنی غیور کے بارے میں آسانی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ جدید شاعر ہیں۔ جدید سے یہاں میری مراد جدیدیت کے رجحان کے حامل شاعر سے نہیں بلکہ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ غنی غیور کا شعری ذہن معاصر حسیت سے متاثر ہے۔ لیکن اس قدر کہنے سے ان کے شعری رویے کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ وہ بے شک معاصر حالات کی اینچ پینچ سے متاثر ہیں اور اس کی ترجمانی بھی خوب انداز میں

کرتے ہیں مگر ان کی شاعری میں جدت کاری اجتہاد کی سطح پر نمود پاتی ہے۔ چنانچہ ان کے تجربات، مشاہدات اور معاصر حالات سے ان کا ٹکراؤ تخلیقی سطح پر اظہار پاتے وقت اپنی شکل وصورت بدل کر قاری کے احساسات کو نہ صرف انگیز کرتے ہیں بلکہ اس کے ذہن کو جھنجوڑ بھی دیتے ہیں۔ یہ کرشمہ لسانی اور فکر وخیال دونوں سطحوں پر دیکھا جاسکتا ہے۔

گر چلیں تو کدھر جائیں، کریں کیا؟ یا تو کر کے سفر جائیں، کریں کیا؟
ہم گھٹن یہاں کرتے رہیں برداشت یا ہوا میں بکھر جائیں، کریں کیا؟
خواہشیں ہیں جواں، پیر ہوئے ہم ہم جئیں یا کہ مر جائیں، کریں کیا؟
اُتھلے پانیوں کے چرچے ہیں اور ہم گہرے دریا کدھر جائیں، کریں کیا؟
عشق چھوڑ کے کافر ہو مریں یا کر کے توبہ سدھر جائیں، کریں کیا؟

ہربرٹ ریڈ نے کہا تھا کہ ہمیں ہمیشہ شاعر کو استعارہ کی تخلیقی تازگی اور قوت کے ذریعہ سے پرکھنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔ یاد رہے ارسطو نے استعارہ کو نابغہ کی نشانی قرار دیا ہے۔ استعارہ کی تازگی اور اس کی قوت کا انحصار اس بات پر ہے کہ یہ بقول شمس الرحمان فاروقی کس قدر کلام میں ایک سے زیادہ معنی پیدا کرسکتا ہے یا ایک معنی کو کس طرح مختلف پیرایوں میں ادا کرسکتا ہے۔ غنی غیور کے استعارے نہ صرف طبع زاد ہیں بلکہ ان میں ترتیب معنی وتقلیب معنی دونوں کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ ان استعاروں کے درمیان قاری مختلف ترنم آمیز لہروں کا زیر وبم محسوس کرتا۔ سماع کے اس عالم میں ساخت اور معنی دونوں رقص کر کے توسیع و توازن کے ایک ایسے نکتے پر ٹھہر جاتے ہیں جہاں قاری کے لئے تشفی بھی، تجسس بھی اور تلذذ بھی۔ ملاحظہ فرمائیں۔

دیں سمندر کے بدلے انہیں خشکیاں خُشکیاں چھین لیں اور سمندر دیے
مفلسی تھی مقدر میں لکھ دی اگر کیوں انہیں سوچ دی کس لئے سر دیے
پتھروں کے جہاں پتھریلے نصیب بوئیں گے بھی تو کیا، کھیت بنجر دیے

ہمارے دور کی اکثر شاعری نہ تو قاری اور نہ ناقد پر کوئی گہرا اثر مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارا موجودہ ادبی معاشرہ روایت کے شعور سے عاری اور خالی ہے۔ لہٰذہ شاعری کیفیت کے عنصر سے خالی ہوگئی ہے۔ یہ ایک المناک صورت حال ہے کہ اب شاعر کیفیت سے زیادہ کمیت پر زور دینے لگے ہیں۔ کچھ ایسی ہی صورت تنقید کی ہے۔ ناقد اردو کی شعری روایات سے نابلد ہو کر مغربی ادبی نظریات کی جھولتی سیڑھی پر فتوے جاری کر رہا ہے۔ علم بیان، صنائع بدایع، علم عروض، بحریں زحافات یہ سب چیزیں جن پر ہمارے شعری نظام کی بنیاد استوار ہے، اب قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی ہیں۔ اب کتنے لوگ رہ گئے ہیں جو قدامہ ابن جعفر، امیر عنصر المعالی، ابن رشیق وغیرہ کے تنقیدی نظریات کی روشنی میں شاعری کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ شاعر اور نقاد شبلی نعمانی، حالی وغیرہ کو بھی بھول گئے ہیں۔ ایسی متذبذب حالت میں جبکہ شاعری کا ڈی این اے مفقود ہو چکا ہے، غنی غیور جیسا شاعر اس وجہ سے اہم ہیں کہ ان کی شاعری کا ڈی این اے فارسی اور اردو شعری روایات سے تیار ہوتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی شاعری روایات و رسوم کی پابند ہی نہیں بلکہ توسیع بھی ہے۔

ہم پر ہزار فتنوں کی یلغار دیکھئے آمادۂ جفا ہیں جفا کار دیکھئے
شاید بیاں کرے وہ کبھی دل کی آرزو کیا ہو نگاہِ شوق سے اظہار دیکھئے

اس بے وفا پہ کیوں نہ کروں زندگی نثار کیا سوچتا ہے یہ دلِ خود دار دیکھئے
بہلاتے دل ہیں روز نئی واردات سے لو آ گیا ہیں آج کا اخبار دیکھئے
کانیں ہیں، سیم وزر کی غنیؔ لوگ اس لئے ان کا گھرانہ دیکھئے کردار دیکھئے

غنی غیور کی شاعری کا ایک لطیف پہلو طنز ہے۔ دراصل کبھی کبھار شاعر متناقص اور متخالف حالات سے براہ راست متصادم نہیں ہوتا بلکہ اسے اپنے پیرایۂ اظہار کو بدلنا پڑتا ہے۔ اسے ایسے حالات کے لئے PARADOXICAL سچویشن تیار کرنا پڑتی ہے۔ اور اس کے لئے طنز بہت موثر آلۂ کار ثابت ہوتا ہے۔ طنز کا یہ رویہ اگر بیان کی لطافت سے عاری ہو تو اس عمل سے پھوہڑ پن ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے لئے لسانی تہذیب سے بہرہ ور ہونا ضروری ہے۔ یہ اپنے جذبات اور احساسات قاری تک پہنچانے کا سب سے افضل طریقہ ہے۔ غنی غیور نہ صرف اس فضا میں سانس لیتے ہیں جس میں متناقص حالات کی چبھن ہے بلکہ ان میں ان حالات کے خلاف ردعمل ظاہر کرنے کا تخلیقی وطیرہ بھی پایا جاتا ہے۔ ان کے طنز کی کاٹ بہت دور تک وار کرتی ہے ؎

بہت مقبول منتر ہوگئے ہیں کہ جوہڑ بھی سمندر ہو گئے ہیں
ترے گملوں میں اگتے ہیں ٹماٹر ہمارے کھیت بنجر ہو گئے ہیں
سفر کرتے رہے اپنی طرح وہ کہ دریا اب سمندر ہو گئے ہیں
ہمارے شہر کے جو آلسی تھے وہ پیشہ ور قلندر ہوگئے ہیں

غنی غیور کی شاعری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ شاعری قاری پر جذباتی، نفسیاتی یا احساساتی سطح پر کوئی جبر نہیں کرتی۔ یہ شاعری قاری سے ایسے مکالمہ کرتی ہے گویا غنچے کی چٹک خوشبو کی سرگوشیوں میں ہواؤں سے کچھ کہتی ہے۔ اس مکالمے میں

جذبات اور احسات کی روداد کا زیر و بم شبنم کی سسکیوں سے اونچا نہیں۔ یہی وہ کیفیت ہے جو شاعری میں نشتر کا کام کرتی ہے۔ اور اس سے زیادہ کا تقاضا کرنا بھی شاعری سے واجب نہیں ؎

قلبِ غمگیں، دیدۂ گریاں تو دیکھ قطرہ قطرہ ہے ٹپکتی جاں تو دیکھ
شوق آنکھوں کو ہے اڑنے کا مگر پر نکالے صورتِ مژگاں تو دیکھ
خود پتنگا خود ہے وہ شمعِ مزار بے نیاز اک دیدۂ حیراں تو دیکھ

شفقؔ سوپوری
نوئیڈا (اتر پردیش)
۹؍فروری ۲۰۲۵ء

حمدِ باری تعالیٰ

جیسے پھولوں میں خوشبو ہے جسم و جاں کے اندر تُو ہے
پاس ہے اس کے خالص نافہ بن بن ڈھونڈے مگر آہو ہے
دھڑکن دل کی سانسوں کی لے اللہ ہو بس اللہ ہو ہے
کیسے مانوں نہیں ہے علّت! صورت کوئی نہ رنگ و رو ہے
سب کی منزل ایک غنی کوئی دریا ہے یا پھر جُو ہے

○

مسلماں رب کہے ہندو ہری ہے تری ہی ہر طرف جلوہ گری ہے
زمانے میں کوئی تجھ سا کہاں پھر تِری ہی ہرکسی پر برتری ہے
کرے انکار ہے بے دین تیرا یہ اُس کی کج روی ہے خودسری ہے
مطالع گر چہ ہے محدود لیکن مِرا دل ہی تو کرتا رہبری ہے

نعت رسول مقبول صلعم

والیٔ کونیں رقبہ والے مکہ والے مدینہ والے
ثانی انکا نہیں کوئی بھی اونچے اونچے رُتبہ والے
یٰسیں طاہا احمد مُرسل سیر و سلوک و سدرہ والے
قوسِ قزح کے آخر میں بھی اَحمر☆ رومی جُبّہ والے
زیرِ نگاہ دو عالم اُن کے مسجد مشہد حُجرہ والے

○

کالی کملی کا منظر سہانا تَو ہے حشر کی دھوپ میں شامیانہ تَو ہے
جس پہ لگتے نہیں ہیں عقیدت کے پھل کاٹ کر اُس شجر کو جلانا تَو ہے
اس لئے ہے مخالف زمانہ مرا اب نشانے پہ میرے زمانہ تَو ہے
انگلیوں سے بہایا تھا آبِ زُلال یا محمد سخی کو بلانا تَو ہے
پانچ تن خود شفاعت کریں گے مری بارگاہِ الٰہی میں جانا تَو ہے

☆ اَحمر یعنی سرخ، قوس قزاخ کا آخری رنگ سرخ ہے رومی جبہ کی طرف اشارہ ہے۔

○

سر بسر حمدِ باری تعالیٰ ہے پھول
شاخ پر خود خدا نے سجایا ہے پھول

حسنِ کامل کا جلوہ دکھاتا ہے پھول
دل کی دنیا میں خوشبو بساتا ہے پھول

داد و تحسین کا مستحق ہے یہی
شوق سے خود خدا نے بنایا ہے پھول

یہ سفیرِ جمالِ خداوند ہے
رازِ فطرت کا ہم کو دکھاتا ہے پھول

دعوتِ دید چشمِ تماشائی کو
ٹھنڈ اور دھوپ میں مسکراتا ہے پھول

زندگی ایک لمحے کی اس کی غنی
وعدہ اپنا خوشی سے نبھاتا ہے پھول

○

سمندر میں تو لنکا چھوڑ جانا
پہاڑوں پر اجنتا چھوڑ جانا

دِوالی کا پٹاخا چھوڑ جانا
دُسہرے کا وہ پتلا چھوڑ جانا

کوئی بھیشم کا سایہ چھوڑ جانا
کتابوں میں حوالہ چھوڑ جانا

محبت کی جہاں میں روشنی ہو
کوئی جذبہ زندہ چھوڑ جانا

ولر کے پانیوں کی وہ سخاوت
کنارِ ڈل شکارا چھوڑ جانا

پروسا تھا جسے مغلوں نے آ کے
وہی پکوان تازہ چھوڑ جانا

ردیف و قافیہ کی وہ روایت
غزل کا کوئی مطلع چھوڑ جانا

○

دیا سورجوں کو دکھانا غلط ہے
کہ اوقات اپنے بُھلا نا غلط ہے

کیا مہربانی نے گستاخ مجھ کو
کہا تھا کہ سر پر چڑھانا غلط ہے

نہیں ہے بھروسے کے لائق کوئی بھی
کسی کو بھی نزدیک لانا غلط ہے

نظر لگ نہ جائے کہیں خود ہی اپنی
بدن اپنا خود کو دکھانا غلط ہے

کہیں رحم کی کر نہ بیٹھیں گذارش
نظر دشمنوں سے ملانا غلط ہے

نہ کی مہربانی کسی نے تو کیا غم
غنی! اپنے دل کو گھٹانا غلط ہے

○

ہو گئے ختم سب لطیفے ہیں
آگے دشوار تر علاقے ہیں

دیر ہو یا حرم برابر سب
بیٹھتے چھت پہ ہی پرندے ہیں

نہ تو بدلے ہیں اور نہ بدلیں گے
آدمی کے برے وطیرے ہیں

بات ہر اک رٹی رٹائی ہے
اس نے بھی طوطے کیا خریدے ہیں

جن مسخر نہ ہو سکا ہے غنی
رائگاں چلّے سب چلیسے ہیں

○

صاحبِ حسن وہ جلیل ابھی
صحبت اس کی تو ہے قلیل ابھی

آذرِ بت تراش جاگے ہے
کارگہ میں نہ جا خلیل ابھی

نیند آتی نہیں کسی بھی طرح
ہے پریشاں ترا علیل ابھی

حرص لپٹی ہے اسکے پنجوں سے
بیٹھی مُردار پر ہے چیل ابھی

غنی بیمارِ عشق ہے تیرا
دل میں پیوست ہے یہ کیل ابھی

○

بہت مقبول منتر ہوگئے ہیں
کہ جوہڑ بھی سمندر ہو گئے ہیں

ترے گملوں میں اگتے ہیں ٹماٹر
ہمارے کھیت بنجر ہو گئے ہیں

سفر کرتے رہے اپنی طرح وہ
کہ دریا اب سمندر ہو گئے ہیں

ہمارے شہر کے جو آلسی تھے
وہ پیشہ ور قلندر ہوگئے ہیں

جو تھے معمارِ شہرِ خوش گمانی
وہ سارے آج بے گھر ہو گئے ہیں

وہی آوازِ حق دیتے تھے کل تک
اب ان کے لب بھی پتھر ہو گئے ہیں

جو روشن تھے کبھی دیپک کی صورت
وہی سایوں کے منظر ہو گئے ہیں

○

اس گھٹن میں جیا نہیں جاتا
سانس ہم سے لیا نہیں جاتا

چھید ہی چھید ہو گئے ہر جا
زخم دل کا سیا نہیں جاتا

چھپ گیا سچ کتاب میں، اب تو
تلخ شربت پیا نہیں جاتا

مور کا پر تو خوبصورت ہے
تحفہ سب کو دیا نہیں جاتا

تن آسانیوں نے گھیرا ہے،
کام مشکل کیا نہیں جاتا

غم کی شدت سے دوستی کر لوں
کہ اکیلے جیا نہیں جاتا

○

دوست ہو مثل گل، ہوا جیسا
حمد جیسا کسی دعا جیسا

خاک چھانی ہزار کعبے کی
بن سکا کب ہے وہ خدا جیسا

سایے کی طرح ساتھ رہتا ہے
غم کا ساتھی ہے، ہم نوا جیسا

سانس کی ڈور کٹ رہی ہے اُف
کوئی دشمن نہیں قضا جیسا

عمر بھر انتظار کرلوں گا
ابھی لگتا ہے وہ خفا جیسا

ہر قدم پر دیے ہیں دھوکے ہزار
دوست میرا ہے بے وفا جیسا

سر پھروں کو عزیز رکھتا ہوں
غنی میں بھی ہوں سر پھرا جیسا

○

ظرف کے ہی مطابق مقدر دیے
اور مواقع سبھی کو برابر دیے

عیش سب چھین لی دُکھ کے دفتر دیے
جو نہیں مانگے ان کو وہ اکثر دیے

دیں سمندر کے بدلے انہیں خشکیاں
خُشکیاں چھین لیں اور سمندر دیے

مفلسی تھی مقدر میں لکھ دی اگر
کیوں انہیں سوچ دی کس لئے سر دیے

پتھروں کے جہاں پتھریلے نصیب
بوئیں گے بھی تو کیا، کھیت بنجر دیے

کرنے تھے کام جو وہ کئے ہی نہیں
کام جو بھی نہیں کرنے تھے کر دیے

رفعتیں آسماں کی دکھا کر غنی
تو نے چڑیوں کو ٹوٹے ہوئے پر دیے

○

اک تماشا گلاب میں دیکھا
تجھ کو تیرے شباب میں دیکھا

چہرہ تیرا حوالہ میرا ہے
یہی لکّھا کتاب میں دیکھا

تجھ کو پایا ہر ایک حالت میں
جاگتے اور خواب میں دیکھا

کر رہے تھے مجھے نصیحت دوست
ہڈّیوں کو کباب میں دیکھا

ہم کو باہر تلاش تھی جس کی
وہ مصنف کتاب میں دیکھا

تیرگی سینۂ چراغ میں تھی
داغ جیسا آفتاب میں دیکھا

وقتِ اشراق یاد ہے اے غنی
چہرہ اک آفتاب میں دیکھا

○

پرندہ آب و دانہ ڈھونڈتا ہے
اڑانوں کا بہانہ ڈھونڈتا ہے

ہوس کے شہر میں بوڑھا اک انساں
کوئی ساتھی پرانا ڈھونڈتا ہے

ملا تھا فیض اسکو بھی جہاں سے
یہ دل وہ آستانہ ڈھونڈتا ہے

طوائف کا وہ دولتمند بیٹا
کوئی اونچا گھرانا ڈھونڈتا ہے

کہاں پھر دولتِ راحت ملے گی
سکندر وہ ٹھکانہ ڈھونڈتا ہے

○

شام تک بند رہتا ہے کمرہ مِرا
اور کمرے میں تنہا کھلونا مِرا

دن کو اُجلی رِدا اوڑھ لیتا ہوں میں
دیکھنا رات کو پھر تماشا مِرا

سچ کہا تھا سبھی مجھ سے ناراض ہیں
اب کسی سے نہیں رشتہ ناطہ مِرا

ٹوٹتا ہی نہیں ہے تعلق کبھی
سنتری ہوں کتابیں خزانہ مِرا

ایک پہچان وادی کے ہے اُس طرف
پیر پنجال سا ہے اِرادہ مِرا

○

تجھے چھوڑ کر جو گیا ہی نہیں
کسی سے وہ پیچھے رہا ہی نہیں

مرے دل میں کوئی دعا ہی نہیں
خیالوں میں سبزہ اگا ہی نہیں

نظر ملتے ہی تجھ سےاوپر اٹھایا ہے سر
زمیں پر تو وہ دیکھتا ہی نہیں

گناہوں سے لپٹے ہوئے ہیں سبھی
مرے پاس تو معجزہ ہی نہیں

کرے گا وہ اپنے ہی ٹکڑے غنیؔ
یہاں کوئی زندہ بچا ہی نہیں

○

شاخ در شاخ زیر و زبر کر گئی
ہر شجر کو ہوا بے ثمر کر گئی

پتھروں میں رہا اور پتھر ہوا
بے حسی پتھروں کی اثر کر گئی

اجنبی روح کا تھا بھروسہ ہی کیا!
جسمِ خاکی کو وہ در بدر کر گئی

قافلے موسموں کے کہاں رک گئے
اُڑ گیا رنگ، خوشبو سفر کر گئی

زمزمے تھے نشیمن کے خوش عندلیب
بد دُعا کوئی ویراں شجر کر گئی

رستبازی عجب کیمیا ہے غنی
ایک مفلس کو بھی معتبر کر گئی

○

ہمارے حوصلوں نے پر نکالے
نکالے دیر سے بہتر نکالے

ڈرے رہتے تھے کیوں عفریت سے ہم
اجالوں نے ہمارے ڈر نکالے

انوکھا کھیل ہے الفاظ کا بھی
کھلاڑی گیند سے پیکر نکالے

ہمارے گھر ہوں زیرِ خاک تو پھر
کوئی معمار کیوں باہر نکالے

جسے سمجھا تھا میں نے دوست وہ بھی
لہو میرے میں تر خنجر نکالے

غنی ناقد سے ہے اتنی گذارش
معانی شعر کے بہتر نکالے

○

مٹھیوں میں ہی پانی پکڑنا پڑا
کام مشکل بہت تھا یہ کرنا پڑا

وہ بھی جلدی میں تھا، میں بھی جلدی میں تھا
اکتفا ایک بوسے پہ کرنا پڑا

تیرے قابل نہیں، بس یہی سوچ کر
روبرو آئنے کے سنورنا پڑا

چھوڑتا ہی نہیں ساتھ میرا کبھی
مجھ کو سائے سے اکثر ہی لڑنا پڑا

دل کی باتیں چھپانا تھا مشکل بہت
ساتھ اشکوں کے دل کو بھی بہنا پڑا

مصلحت تھی یہی وقت کی اے غنی
ننگے پاؤں جو صحرا میں چلنا پڑا

○

کھوٹا سکّہ کوئی لے، ممکن نہیں
اور بٹوے میں رہے، ممکن نہیں

عشق تیرے نے اجاڑا دل مِرا
غیر کی الفت اُگے ممکن نہیں

ڈوب کر بھی جاری رہتا ہے سفر
مہر مغرب سے چڑھے، ممکن نہیں

شعر میرے اس کو ہیں بے حد پسند
شعر میرے وہ سنے، ممکن نہیں

تیرے کوچے میں ہیں بیٹھے ہم غنی
یہ قدم آگے بڑھے، ممکن نہیں

○

کنارے دوریاں تھیں اور کیا تھا
سڑک مجبوریاں تھیں اور کیا تھا

مری ناکامیوں کے سارے کارن
مری مشہوریاں تھیں اور کیا تھا

میسر ہو نہ پائیں زندگی بھر
عجب کستوریاں تھیں اور کیا تھا

محبت کے سفر میں کچھ نہ پایا
مری مزدوریاں تھیں اور کیا تھا

کتابیں جگمگاتی رہ گئیں سب
فقط بے نوریاں تھیں اور کیا تھا

○

پھر کوئی لمبی دوڑ دے مجھ کو
جیتتے ہی تو چھوڑ دے مجھ کو

پُرزہ پُرزہ بکھر چکا ہے مرا
میں نہیں کہتا جوڑ دے مجھ کو

تنگ ہوں سیدھے رستے سے میں بھی
کئی سمتوں میں موڑ دے مجھ کو

ہو گئے کپڑے گیلے رونے سے
غم زدہ ہوں نچوڑ دے مجھ کو

تیرے ہونے کا شائبہ مجھ پر
تو اگر چاہے توڑ دے مجھ کو

○

آنسوؤں کو روکتا ہوں دیر تک
دھند میں کیا دیکھتا ہوں دیر تک

کھل گئیں الفاظ کی سب کھڑکیاں
اور ان سے جھانکتا ہوں دیر تک

جس گلی کے دونوں رستے بند ہیں
اُس گلی میں دوڑتا ہوں دیر تک

خامشی بھی کوئی جھرنا ہے اگر
کس لئے پھر بولتا ہوں دیر تک

چیونٹیوں کے بل میں پانی ڈال کر
کیوں تماشا دیکھتا ہوں دیر تک

○

گر چلیں تو کدھر جائیں، کریں کیا؟
یا تو کر کے سفر جائیں، کریں کیا؟

ہم گھٹن یہاں کرتے رہیں برداشت
یا ہوا میں بکھر جائیں، کریں کیا؟

خواہشیں ہیں جواں، پیر ہوئے ہم
ہم جئیں یا کہ مر جائیں، کریں کیا؟

اُتھلے پانیوں کے چرچے ہیں اور ہم
گہرے دریا کدھر جائیں، کریں کیا؟

عشق چھوڑ کے کافر ہو مریں یا
کر کے توبہ سدھر جائیں، کریں کیا؟

○

ٹانگوں پر وہ کھڑا نہیں ہوتا
آگے سب سے بڑھا نہیں ہوتا

میں نے اس کو ڈرا ہی دینا تھا
میں اگر خود ڈرا نہیں ہوتا

مجھ کو آخر میں ہی پہنچنا تھا
تم سے پہلے چلا نہیں ہوتا

گرچہ ناراض ہے بظاہر وہ
دل سے لیکن خفا نہیں ہوتا

گر گیا ہوں بلندی سے میں
ورنہ جلدی مرا نہیں ہوتا

بندگی کر نہیں سکا اس کی
وہ بھی میرا خدا نہیں ہوتا

○

جتنا اوپر بڑھا ہوا ہے میاں
اتنا نیچے دھنسا ہوا ہے میاں

بیج دھرتی کے ہیں جٹائیں سب
پیڑ الٹا کھڑا ہوا ہے میاں

سر گڑھے میں ہے ٹانگیں اوپر ہیں
بیچ میں دھڑ لٹکا ہوا ہے

تو نے شاخوں پہ آنکھ گاڑی ہے
پھل جڑوں میں چھپا ہوا ہے میاں

غنیؔ سبزے نے دی بشارت یہ
خاک میں زر دبا ہوا ہے میاں

○

کسی قابل سمجھتا ہی نہیں ہے
جگر اور دِل سمجھتا ہی نہیں ہے

اگر چہ جستجو کا ہے وہ مرکز
مجھے منزل سمجھتا ہی نہیں ہے

بھٹکتا ہی رہوں گا اس کے پیچھے
کہ اپنا ظِل ، سمجھتا ہی نہیں ہے

خطا کی ہے کرم فرما نے میرے
وہ آب و گِل سمجھتا ہی نہیں ہے

میں لوٹا ہاتھ خالی اُس کے در سے
مجھے سائل سمجھتا ہی نہیں ہے

○

بے بدَل اُس کو اور جدا دیکھا
ہر طرف میں نے وہ خدا دیکھا

شکل پہلی نہیں جچی اس کو
خود کو بارِ دِگر بنا دیکھا

ایک جیسا نہیں تجلّی میں
اُس کو چھوٹا کہیں بڑا دیکھا

مُشتَمِل ہے تَضَاد پر دنیا
خیر کی اور شر جھکا دیکھا

معرفت کے میں پھول چُنتا ہوں
باغ دل کا ہرا بھرا دیکھا

○

طور پہلے کے اور طریقے میاں
بے اثر ہو گئے وظیفے میاں

آخری دور ہے ہوئے رخصت
وہ سلیقے سبھی قرینے میاں

اب کرامت دکھاؤ بات بنے
ختم جو ہو گئے لطیفے میاں

خشک دریا ہوئے محبت کے
نام کے رہ گئے سفینے میاں

کیا اڑے تو نہیں حروف ان کے
رو رہے ہیں سبھی صحیفے میاں

○

قلبِ غمگیں، دیدۂ گریاں تو دیکھ
قطرہ قطرہ ہے ٹپکتی جاں تو دیکھ

شوق آنکھوں کو ہے اڑنے کا مگر
پر نکالے صورتِ مژگاں تو دیکھ

خود پتنگا خود ہے وہ شمعِ مزار
بے نیاز اک دیدۂ حیراں تو دیکھ

ہوگئے خلوت نشیں سارے ادیب
مکتبوں میں غوغۂ طفلاں تو دیکھ

سچ کو وہ توہین کہتا ہے غنیؔ
واعظوں کا ہم نشیں ناداں تو دیکھ

○

عمر اس کی ہے بیس سال غضب
جو چلن صاف ہے تو چال غضب

قدرتِ پاک نے کیا پیدا
خوب کاری گری مثال غضب

تیر ابرو تو نوکِ مژگاں تیغ
سینہ عشّاق کا ہے ڈھال غضب

مشرق و مغرب و جنوبؔ و شمال
حسن اس کا غضب جمال غضب

ہجر اسکا قیامتِ کُبرٰی ہے
غنیؔ جنت نشاں، وصال غضب

○

ایک پودا لگا نہیں سکتا
صحن میں وہ بٹھا نہیں سکتا

تنگ و تاریک ہے گلی تیری
کوئی جائے تو آ نہیں سکتا

پاس تیرے رہوں نہیں ممکن
دور بھی تجھ سے جا نہیں سکتا

نہیں لیتی زمیں خبر میری
آسماں بھی بُلا نہیں سکتا

پوچھتا ہے وہ بار بار مگر
حالِ دل میں بتا نہیں سکتا

ہم ہیں پامال گرد راہوں کی
وہ گلے سے لگا نہیں سکتا

ہو گیا مُردہ دل ہے ہنس ہنس کے
غمیؔ آنسو بہا نہیں سکتا

○

بہت جھوٹا ہے یہ سنسار پیارے
لگا مت اس جگہ دربار پیارے

مہکتے گل تری گفتار پیارے
ادا بجلی غضب رفتار پیارے

کہ گنجائش نہیں شک کی ذرا بھی
ہے لٹھے سا ترا کردار پیارے

تجھی سے مانگتا ہوں سب مرادیں
اے زندہ صاحب اسرار پیارے

خدا کا واسطہ جو دے رہا ہوں
خدا سے ڈر،نہ کر انکار پیارے

یہاں ہوں منتظر کس عید کا میں
تُہی روزہ تُہی افطار پیارے

کسوٹی ہے سخن کی بات ہر اک
غنیؔ تیری ادا معیار پیارے

○

رعب لوگوں پر جماتے بھی تو کیا
عاجزی میں پھر دکھاتے بھی تو کیا

جیتنا تھا کونسا میدان پھر
کاٹھ کے گھوڑے چلاتے بھی تو کیا

ہاتھ میں تسبیح صد دانہ لئے
محفلوں میں آتے جاتے بھی تو کیا

بھیڑ میں گم ہونے کا اندیشہ تھا
ہاتھ لوگوں سے ملاتے بھی تو کیا

قدسیوں سے داد و تحسینِ غزل
عرش پر جاکر جو لاتے بھی تو کیا

خواہشوں کی عمر تھی کتنی غنیؔ
دو گھڑی ملتے ملاتے بھی تو کیا

○

کوئی خطرہ نہیں زوال نہیں
کس جگہ پر ترا جمال نہیں

ترے رخ سے طلوع ہوتا ہوں
تیرے رخ کی کوئی مثال نہیں

تجھ سے منسوب ہے مرا اقبال
کوئی اندیشۂ زوال نہیں

سب میں جلوہ نمائی ہے تیری
تیری لیکن کوئی مثال نہیں

ہر نوالے پہ نام لیتا ہوں
ورنہ لقمہ مرا حلال نہیں

○

نہیں ڈرتا تمہاری قدغنوں سے
مری ہمّت بڑھی ہے مشکلوں سے

کہاں وارث ہماری لاش کے ہیں
پڑی ہے مردہ خانہ میں دنوں سے

بڑھایا ہے کئی بونوں نے خود کو
میں گھٹتا جا رہا ہوں ان بڑوں سے

کھڑے ہیں راستہ روکے ہوئے وہ
اکیلا لڑ رہا ہوں پربتوں سے

نہیں امید اب کچھ فصل کی بھی
اکھیڑا جا چکا ہوں سب جڑوں سے

○

یہ گلہ ہے ہنر نہیں دیتا
قطرۂ خوں جگر نہیں دیتا

ہاں سے ہاں وہ ملاتا رہتا ہے
بھید دل کا مگر نہیں دیتا

عمر گزری ہے سینچتے جس کو
پیڑ وہ بھی ثمر نہیں دیتا

مال و زر سے بہت نوازا ہے
وسعتِ دل مگر نہیں دیتا

سوکھے پیڑوں کے سائے ہیں ہر سو
سایۂ شاخِ تر نہیں دیتا

تارے گنتا ہوں رات بھر میں غنیؔ
وہ خوشی کی سحر نہیں دیتا

○

اب مزے ہی نہیں ہیں جینے کے
نہ پلانے کے اور نہ پینے کے

بیچ مکہ کے جاگتا ہوں میں
دیکھتا خواب ہوں مدینے کے

زندگی پڑ گئی گلے سب کے
نہیں چارہ سوائے جینے کے

نَفس سے پڑ گیا ہے جو پالا
رہ رہا ساتھ ہوں کمینے کے

کم ہے تنخواہ اور زیادہ خرچ
روز گنتا ہوں دن مہینے کے

○

کہیں جانے کا بھی اشارہ نہیں ہے
ترے شہر میں اب گذارا نہیں ہے

خموشی کے پہرے ہیں چاروں طرف سے
کسی کو بھی میں نے پکارا نہیں ہے

جلائے ہیں خوابوں کے سب آشیاں بھی
کہ تنکا بھی باقی ہمارا نہیں ہے

ہوا کے تھپیڑوں میں ٹھہرے گا کب تک
دیا ہے یہ کوئی ستارہ نہیں ہے

یہ دنیا فریبوں کا پردہ ہے کوئی
حقیقت کا جلوہ گوارا نہیں ہے

یہ دل ہے کہ دریا کی موجوں سا ہر دم
غنیؔ روک سکتا کنارا نہیں ہے

○

اس لئے ہارتا نہیں شاید
ہم سفر ہے مِرا یقیں شاید

دل دریچہ کُھلا رکھا میں نے
اِدھر آئے کوئی حسیں شاید

بند ہیں قُمقُمے حویلی کے
نیند میں کھو گئے مکیں شاید

سجدے پر سجدہ کر رہا ہوں میں
گھس چکی ہے مِری جبیں شاید

چل رہا ہوں بدل بدل کے رہ
سامنے آئے وہ کہیں شاید

○

رہتے ہیں سوچوں کے دفتر میں پڑے
دھوپ میں یا سرد بستر میں پڑے

ٹین کے ڈِبّوں میں عورت بند تھی
مرد بھی دیکھے کنستر میں پڑے

پھول پھل اُس سے جدا سب ہوگئے
سب کے سب سائے برابر میں پڑے

میں نے دیکھے لوگ تیرے شہر کے
شہرتوں ہی کے تھے چکّر میں پڑے

غوطہ خوروں نے کبھی کوشش نہ کی
رہ گئے موتی سمندر میں پڑے

○

کہ شاخِ شوق چھلنا چاہتی ہے
کسی جھونکے سے ہلنا چاہتی ہے

گلے کا خار ہے اسکی خموشی
کلی بے چین کھلنا چاہتی ہے

بھرے بازار میں پھرتی ہے ڈائن
خبر کیا کس سے مِلنا چاہتی ہے ؟

نہیں ملتا رفو گر کوئی اسکو
دریدہ جان سِلنا چاہتی ہے

غنیؔ جو روک سکتا ہے وہ روکے
خدا سے روح مِلنا چاہتی ہے

○

راستوں میں جو کچھ شجر ہوتے
اور آسان یہ سفر ہوتے

کب ہوئے وہ مِرے خدا ورنہ
شاہ رگ سے قریب تر ہوتے

کھل گیا ہوتا جو دریچۂ دل
معبدوں میں نہ در بدر ہوتے

تنگ پگڈنڈیوں کے جال ہیں یہاں
کچھ کشادہ جو رہگذر ہوتے

دستِ محبوب چومتا میں غنیؔ
اُڑ کے جاتا جو بال و پر ہوتے

○

رفعتوں کے وہ سب راستے بند ہیں
جائیں بھی تو کہاں حادثے بند ہیں

لوگ دہرا رہے ہیں پرانی کتھا
فہم و ادراک کے قافیے بند ہیں

ایک مرکز کا کر تے رہے ہیں طواف
وہم کے غار میں قافلے بند ہیں

عقل والوں کو پاگل سمجھتے ہیں لوگ
خلوتی ہوگئے رابطے بند ہیں

خبطیوں کی ہے کیوں بر تری ہر طرف
شہرِ ناقدر میں نابغے بند ہیں

○

قاعدے اگلوں کے لغات فضول
موشگافوں کے سب نکات فضول

ٹیب کی ایک وال کافی ہے
وہ پرانے قلم دوات فضول

پاٹھ شالائیں اور مکتب بند
بے اثر قصۂ نجات فضول

عام ہیں ٹوسٹر بریڈ میکر
ہوچکے اب توے پرات فضول

گئے دن وہ تکلّفات کے سب
ڈھول شہنائی اور برات فضول

○

ہُوا ہے چاک پیراہن، گریباں اور ہونے دو
ستارہ جسم و جاں کا بھی درخشاں اور ہونے دو

مرے حالات سے ہیں بے خبر احباب بھی میرے
مرے حالات پر دنیا کو خنداں اور ہونے دو

پریشاں گردشِ دوران سے بلقیس بھی تو ہے
سبا ویران ہے، پیدا سلیماں اور ہونے دو

کہاں ممکن ہے اب آباد کاری اس خرابے کی
بیاباں ہے، بیاباں کو بیاباں اور ہونے دو

نشیمن عندلیبوں کے تصرف میں ہیں زاغوں کے
پریشاں باغ کامالی، دبستاں اور ہونے دو

پریشاں پھول سب ہیں، کارواں خوشبو کے بے منزل
مثالی پیڑ پودے ہوں، گلستاں اور ہونے دو

○

زندگی اک بہتا دریا کوئی اُس کا کیا کرے
آدمی ہے بلبلا سا کوئی اُس کا کیا کرے

لوگ کہتے ہیں فلک پر ہے میں کہتا ہوں یہاں
ہر طرف ہے وہ احاطا کوئی اُس کا کیا کرے

خاک میں غلطاں ہے تو نورٌ علیٰ ہے نور وہ
اے مرے دل تجھ سے ناتا کوئی اُس کا کیا کرے

کائناتِ رنگ و بو میں ہے وہی پھیلا ہُوا
تیس پاروں میں خلاصا کوئی اُس کا کیا کرے

منصفوں کو بھی گلی میں اسکی دیکھا ہے غنیؔ
منصفوں سے استغاثا کوئی اُس کا کیا کرے

○

ہم پر ہزار فتنوں کی یلغار دیکھئے
آمادۂ جفا ہیں جفا کار دیکھئے

شاید بیاں کرے وہ کبھی دل کی آرزو
کیا ہو نگاہِ شوق سے اظہار دیکھئے

اس بے وفا پہ کیوں نہ کروں زندگی نثار
کیا سوچتا ہے یہ دلِ خود دار دیکھئے

بہلاتے دل ہیں روز نئی واردات سے
لو آ گیا ہیں آج کا اخبار دیکھئے

کانیں ہیں،سیم و زر کی غنیؔ لوگ اس لئے
ان کا گھرانہ دیکھئے کردار دیکھئے

○

تیرے پڑوس میں کوئی لمحہ بتا سکوں
خود کو میں روشنی کے جہانوں میں پا سکوں

دریاؤں کی طرح میں ہمیشہ سفر میں ہوں
ہر تشنہ لب کی پیاس کبھی تو بجھا سکوں

لوگوں کے سامنے میں نے تجھ کو بھلا دیا
ممکن نہیں کبھی تجھے دل سے بُھلا سکوں

اتنی ہے آرزو،کہ کرم کی نگاہ ہو
میں رُو برُو جو تیرے دو آنسو بہا سکوں

اے خِضرِ رہ کہاں تُو، تجھے ڈھونڈتا ہوں میں
تیرے فریب خوردہ کو رستہ دکھا سکوں

○

عدل کا ہے یہ تقاضا مت کہو
ہے جو سچّا اس کو جھوٹا مت کہو

ساختِ منقار تو دیکھا کرو
گدھ کے بچّے کو ہُما سا مت کہو

ریگزاروں سے گذرنے دو اِسے
تم ابھی دریا کو دریا مت کہو

مل ہی جائیں گے بیاباں میں کہیں
تم دوانوں کو عنقا مت کہو

کیا پتہ کب پھیل کر ہو جائے بحر
اس لئے قطرے کو قطرہ مت کہو

○

کیا بتاؤں میں نے کیا ہے دیکھا
شکل انساں میں خدا ہے دیکھا

بھیڑ میں لوگ ہوئے ہیں گمراہ
راستہ ہم نے جدا ہے دیکھا

کعبۂ دل میں تجلّی اسکی
مرکزِ شوق نیا ہے دیکھا

دل کے اندر بھی سلگتا صحرا
دور تک پھیل گیا ہے دیکھا

میرے کندھے پہ وہ چڑھ کر بولا
قد مرا تجھ سے بڑا ہے دیکھا

○

خطۂ دل ہرا نہیں ہوتا
کاش اتنا جلا نہیں ہوتا

کچھ بڑوں سے مجھے شکایت ہے
اس لئے میں بڑا نہیں ہوتا

مجھ سے اچھائی کی امید کرو
اچھا ہر گز بُرا نہیں ہوتا

گر گیا تھا بلندیوں سے وہ
ورنہ جلدی مرا نہیں ہوتا

میں نے اس کو ڈرا ہی دینا تھا
میں اگر خود ڈرا نہیں ہوتا

مجھ کو آخر میں ہی پہنچنا تھا
سب سے پہلے چلا نہیں ہوتا

آگ سے کھیلنا نہیں اچھا
آگ کا کچھ پتہ نہیں ہوتا

○

سبھی سے بر گزیدہ بھی ہمیں تھے
قد و قامت کشیدہ بھی ہمیں تھے

ہمیں تھے بربطِ ہستی کی تانیں
صدائے ناشنیدہ بھی ہمیں تھے

نہ ہوں گی ختم جن کی داستانیں
وہ چشمِ خوں چکیدہ بھی ہمیں تھے

ہمیں سے زینتِ دارِ بقا بھی
بڑے آفت رسیدہ بھی ہمیں تھے

رہے ہم زیر فرماں غفلتوں کے
رجوعِ آبدیدہ بھی ہمیں تھے

ہمیں تھے کنجِ تنہائی کی رونق
امیدِ شب گزیدہ بھی ہمیں تھے

زلیخائی شکنجوں میں تھے پابند
غنیؔ دامن دریدہ بھی ہمیں تھے

○

یہاں سائے کا سایہ ہی نہیں ہے
حقیقت میں وہ آیا ہی نہیں ہے

شجر اونچا گرایا ہی نہیں ہے
شجر کا کوئی سایہ ہی نہیں ہے

سمجھ میں بھید آیا ہی نہیں ہے
کسی نے یہ بتایا ہی نہیں ہے

خبر کچھ بھی نہیں اس بے ثمر کو
شجر نے زخم کھایا ہی نہیں ہے

وہ مجھ سے پیار کرتا ہے یہ سچ ہے
مجھے اس نے بتایا ہی نہیں ہے

○

شجر کا آخری پتّا اڑا ہے
ہوا کی شوخیوں سے جا ملا ہے

چمن ہے معرفت کا ایک دفتر
چمن میں بولتا سچّا خدا ہے

بظاہر ہم بھی اُن جیسے ہیں لیکن
ہمارا راستا اُن سے جدا ہے

مجھے بھی صاحبِ عرفان کردے
ہوس کے جال میں یہ دل پھنسا ہے

فضا گہری خموشی میں ہے ڈوبی
یقیناً حادثہ کوئی ہوا ہے

○

حسن کی سرکار دیکھ
مصر کا بازار دیکھ

دشت میں لیلیٰ کہاں
قیس کا اصرار دیکھ

کیا ہُوا فرہاد کو
کاوشِ بیکار دیکھ

کسقدر رنگین ہے
کوچۂ دلدار دیکھ

دو قدم آ ساتھ چل
پھر مری رفتار دیکھ

○

بستی تیری صحرا تیرا
تو مالک میں بندہ تیرا

تشنہ ہوں میں پینا چاہوں
ندیاں تیری دریا تیرا

رنگت خوں کی اک جیسی ہے
کالا تیرا گورا تیرا

انساں ہو یا کہ حیواں کوئی
سب کے سر پہ ہے سایہ تیرا

توہی ظاہر ہے تو ہی باطن
چھلکا تیرا گودا تیرا

○

نیل دجلہ فرات کی باتیں
ہیں یہی التفات کی باتیں

اہلِ مکتب تمہیں مبارک ہوں
یہ نکات و لغات کی باتیں

کر رہے تھے بہشت کے طالب
اپنی اپنی نجات کی باتیں

اس زمانے میں کون کرتا ہے
صدقہ عُشر و زکات کی باتیں

سب فسانے کہانیاں قصّے
بن گئیں ایک بات کی باتیں

○

ہمارے واسطے آرائشیں تھیں
کئی اقسام کی زیبائشیں تھیں

حریمِ ذات سے مخصوص ہوکر
کئی رنگوں میں اتری نازشیں تھی

خدا کے فضل کا دریا رواں تھا
ہمارے جنگلوں پر بارشیں تھیں

پسیجا تھا پہاڑوں کو ہمارے
نگاہِ یار میں وہ تابشیں تھیں

سلامت رشتۂ دل کیسے رہتا
حدوں سے بڑھ گئیں فرمائشیں تھیں

ہم آگے آگے بڑھتے جا رہے تھے
ہمارے پیچھے چلتی سازشیں تھیں

○

بے ریا اعتکاف کرنا تھا
شیشۂ دل شفاف کرنا تھا

کس طرف کس جگہ ہے گھر تیرا
تیرے گھر کا طواف کرنا تھا

پاپ کرکے خموش ہے پاپی
پاپ کا اعتراف کرنا تھا

پربتوں میں خزانہ رکّھا ہے
پربتوں میں شگاف کرنا تھا

دشمنی دوستی میں بدلے گی
دشمنوں کو معاف کرنا تھا

○

زندگی کا سراغ دے مجھ کو
آگہی کا چراغ دے مجھ کو

دل میں پیہم رہے کسک جس کی
دل پہ اک ایسا داغ دے مجھ کو

جو سمجھتا ہو زندگی کیا ہے
ایک ایسا دماغ دے مجھ کو

کچھ غموں کا اثر نہ ہو جس پر
وہ دلِ باغ باغ دے مجھ کو

عمر ساری رہے نشہ جس کا
ساقیا وہ ایاغ دے مجھ کو

○

طعنے ہم کو دیے جائیں گے دیکھنا
ہم بھی لیکن جیے گے دیکھنا

ان کو سچ بولنے کی للک ہے مگر
ہونٹ اُن کے سیے جائیں گے دیکھنا

یاد تک جن کو آتی نہیں موت کی
دفن وہ بھی کیے جائیں گے دیکھنا

ہم بلا نوش ہیں یہ کرم ہے ترا
غم کے پیالے پیے جائیں گے دیکھنا

رہنے دو ظالموں کو ابھی چُپ ہیں سب
راز افشا کیے جائیں گے دیکھنا

○

جیب اپنی بھرا نہیں کرتے
ہم کسی سے دغا نہیں کرتے

ایک مخصوص وقت ہوتا ہے
ہر گھڑی ہم دعا نہیں کرتے

کہہ رہی ہے خلیل کی اولاد
آگ سے ہم ڈرا نہیں کرتے

موت آتی ہے، آنے دو اس کو
موت سے ہم مرا نہیں کرتے

نیکیاں کم ہی کرتے ہیں لیکن
ہم کسی کا برا نہیں کرتے

جس کو دیکھا نہیں غنیؔ ہم نے
اس کو سجدہ کِیا نہیں کرتے

○

خاک در خاک صورتیں اور ہم
موت کی ہیں حکومتیں اور ہم

اس کی آنکھیں ہیں کتنی غارت گر
دھندلی سی بصیرتیں اور ہم

وادیٔ حسن میں مہر بہ لب
شعر و نغمہ لطافتیں اور ہم

غیر ممکن گرہ کشائی ہے
جان لیوا ہیں مشکلیں اور ہم

کوئی رستا نہیں نکلنے کا
چارسو پھیلی ظلمتیں اور ہم

کس نے چھینی سعادتیں ہم سے
تیری مرضی نخوستیں اور ہم

○

غم امڈتا چناب ہے بابا
میری کشتی خراب ہے بابا

میں نے دیکھا ہے بنجر آنکھوں سے
فصلِ غم میں سراب ہے بابا

زندگی بن گئی جہنم سی
عشق بھی اک عذاب ہے بابا

خار ہی خار میری قسمت میں
چہرہ اس کا گلاب ہے بابا

دے گیا ظلمتیں جو آنکھوں کو
چُھپ گیا آفتاب ہے بابا

حرف حرف اس کو پڑھتا رہتا ہوں
دل بھی مثلِ کتاب ہے بابا

○

نا مکمل سی کہانی ہے میاں
خواب دستورِ جہانی ہے میاں

الجھنوں نے آن گھیرا ہے مجھے
یہ تمہاری مہربانی ہے میاں

غور سے کون و مکاں دیکھے ہیں سب
ہر طرف اک بیکرانی ہے میاں

سانس رُک جائے گی دل کا ساز بھی
چاردن یہ زندگانی ہے میاں

صورتیں الفاظ کی غائب غنیؔ
بہہ رہا سیلِ معانی ہے میاں

○

دیکھے نہیں کرشمے اُس اندازِ چال کے
رکھتا ہے سب کو درد کے سانچے میں ڈال کے

ان کا خیال آتے ہی آنسو ہوئے رُواں
ہم نے بھی دل میں رکھے ہیں کیا روگ پال کے

بے سود کر رہا ہے یہ دل انکا انتظار
آئیں گے پھر نہ لوٹ کے لمحے وصال کے

اٹھتے نہیں جگہ سے کبھی بیٹھنے کے بعد
ہم ہوگئے اسیر ہیں کِس کے خیال کے

کرنے لگا تمیز ہے اپنے پرایے میں
آیا ہے دور اس کے سمجھ لو زوال کے

○

جلوہ اپنا دکھا گیا کوئی
میرے دل میں سما گیا کوئی

میں ابھی تک بھٹک رہا ہوتا
راہ سیدھی دکھا گیا کوئی

حجرۂ جسم و جاں تھا تیرہ بہت
شمعِ دل میں جلا گیا کوئی

چھوڑ کر ہجر کے بیاباں میں
دور مجھ سے چلا گیا کوئی

نفرت آمیز بات کر کے غنیؔ
کعبۂ دل ہی ڈھا گیا کوئی

○

بھیڑ کا رخ ہے بڑے گھر کی طرف
ہیں رواں دریا سمندر کی طرف

دل کے باہر کب ملا کوئی سراغ
ڈھونڈ اس کو دل کے اندر کی طرف

دیکھتے ہیں مسجدِ ویراں کے در
سیج پر لیٹے قلندر کی طرف

دیکھ کر کھیتوں کو زہر آلود اب
طائروں کا رخ ہے بنجر کی طرف

کس نے چھینی درد کی دولت غنیؔ
بڑھ رہے ہیں ہاتھ خنجر کی طرف

○

کعبہ کعبہ تُو دیر دیر نہ کر
ہر گھڑی مجھ سے ذکرِ غیر نہ کر

خیر کا بدلہ خیر دیتے نہیں
تو کبھی دشمنوں سے خیر نہ کر

تنگ آ کر وہ بھاگ جائے گا
تو پڑوسی سے اتنا بیر نہ کر

کامیابی کی شرط ہے بس یہ
کام اخلاص کے بغیر نہ کر

غنیؔ تجھ کو نہ راس آئیں گی
اسکی گلیوں کی اتنی سیر نہ کر

○

ایک پامال دستور پھر
وہ سیاست وہ فغفور پھر

رات بھر بلبلاتا رہا
ایک بیمار مزدور پھر

شوق سے کھال کو کھینچیے
آگیا ایک منصور پھر

کان اپنے بھی گونجے ہیں
آنکھ دیکھے گی اک طور پھر

کیوں جگایا ابھی نیند سے
خواب میرے ہوئے چور پھر

○

سخاوت غم پرائے بانٹتی ہے
ہوس تنہا خزانے ڈھونڈتی ہے

امیری کا نہیں رشتہ کسی سے
غریبی اپنے ناتے ڈھونڈتی ہے

بدن درویش لیکن آنکھ اس کی
بھٹکنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے

بغل میں زائروں کے چادریں ہیں
تمنا آستانے ڈھونڈتی ہے

ارے او بے عمل! کچھ کر بھی لے تُو
عطا اس کی بہانے ڈھونڈتی ہے

○

کوئی خیر کا سلسلہ بھی نہیں ہے
ترے شہر میں اب خدا بھی نہیں ہے

ہوا کیا ہے آدم کی ان بیٹیوں کو
ردا بھی نہیں ہے حیا بھی نہیں ہے

ترے گھر کے در ہیں بہت سارے لیکن
ترے در پہ آتا گدا بھی نہیں ہے

ترے شہر میں سب ہوس کے پجاری
کوئی شخص محوِ ثنا بھی نہیں ہے

ترے شہر میں قحطِ انصاف دیکھا
کوئی قاتلوں سے خفا بھی نہیں ہے

○

لگا کر دل کیا کب کام بابا
برا آغاز بد انجام بابا

نہیں ملتا کوئی بھی اس جہاں میں
ترے حافظ ترے خیام بابا

نہیں دیتے نکلنے گھر سے ہم کو
ہمارے سرخرو اوہام بابا

پریشاں بے حسی کے شہر میں ہم
پڑا کن پتھروں سے کام بابا

خدا حافظ ہے میخانے کا اب کے
صراحی ہے نہ کوئی جام بابا

جسے ہو شوق پڑھ لے شوق سے وہ
کھلا خط ہے کھلا پیغام بابا

○

تصوف کے مسائل جانتا ہے
سنا ہے وہ خدا کو ڈھونڈتا ہے

قفس میں ڈال کر صیاد مجھ کو
مرے بازو مرے پر کھولتا ہے

مرا ظاہر مرے باطن کی صورت
رہوں جو چپ تو چہرہ بولتا ہے

ہوا معدوم تھا جو ڈائنو سار
ہمارے شہر میں وہ رینگتا ہے

غنیؔ جعلی ہیں اس کے باٹ کے سنگ
ہے کتنا ڈھیٹ سب کو تولتا ہے

○

چاند کو جستجوئے سفر دے گیا
آسمانوں کو شمس و قمر دے گیا

پست ہمت کو آرام گھر دے گیا
شوقِ پرواز کو بال و پر دے گیا

سالہا سال میں نے ریاضت نہ کی
شعر کہنے کا مجھ کو ہنر دے گیا

اب سفر کو ہی منزل سمجھتا ہوں میں
چھین لی مجھ سے منزل سفر دے گیا

کس قدر ظرف اس کا بڑا تھا غنیؔ
جس نے جو مانگا وہ چارہ گر دے گیا

○

ہر طرف چھائی تیرگی سی ہے
ڈھونڈ کوئی جو روشنی سی ہے

میرے زخموں پہ مسکراتا ہے
دیکھیے اسکی سادگی سی ہے

راحتوں کا نشاں نہیں ملتا
غم کی آندھی ابھی چلی سی ہے

سوچ لے بولنے سے پہلے
تیری ہر بات بے تکی سی ہے

مشکلوں سے گریز پا ہونا
یہ مگر لگتی ہے خود کشی کی ہے

○

بڑا چالاک ہے عیار بھی ہے
قبیلے کا مگر سردار بھی ہے

ابھی تک تم نے قلم دیکھا ہے
ہمارے ہاتھ میں تلوار بھی ہے

ہمارے خون سے روشن دیے ہیں
ہمارا خون فخرِ دار بھی ہے

سیاہی زینت دشت و بیاباں
سیاہی رونق بازار بھی ہے

گلوں میں سادگی ، زینت، بشاشت
گلوں میں نور بھی ہے نار بھی ہے

حوادث کے ہجومِ بیکراں سے
یہ شاعر بر سرِ پیکار بھی ہے

○

وہ اک مَشْرَب جو ناقص کے پیالوں میں نہیں آتا
وہ اک جوہَر جو جاہل کے نوالوں میں نہیں آتا

مُفَصَّل کہہ نہیں سکتے وہ مُجْمَل ہے سنا ہم نے
کتابوں میں نہیں آتا رسالوں میں نہیں آتا

خیالوں میں نہیں آتا ہر اک بندہ بشر کے وہ
ورائے رمزو ایما ہے مثالوں میں نہیں آتا

نظر آتا ہے عالی ظرف کے پیمانہ میں ہم کو
کسی کم علم انساں کے حوالوں میں نہیں آتا

وہاں دن رات دائم خامُشی کی حکمرانی ہے
جوابوں میں نہیں آتا سوالوں میں نہیں آتا

○

نایاب تھے یہ نسخے پرانے ملے مجھے
انسان دوستی کے ترانے ملے مجھے

افکار سے انہی کے کیا استفادہ ہے
اک بحرِ کراں سے خزانے ملے مجھے

میں معتقدِ حضرتِ شہباز لعل ہوں
چشم و چراغِ حق کے ٹھکانے ملے مجھے

محنت ہے کامیاب مری کوئی غم نہیں
حسن و جمال آل سہانے ملے مجھے

میں کس زباں سے شکر کروں اے خدا ترا
لمحے سحر گہی کے شبانے ملے مجھے

○

حقیقت نہیں داستاں کے برابر
زمیں بھی نہیں آسماں کے برابر

کسوٹی پہ تیری نہیں وہ اترتا
ہُوا کون کس کے گماں کے برابر

جمود آگیا ہے طبیعت میں اُس کی
نہیں آبِ ساکن رواں کے برابر

عجب درجہ بندی ہے دنیائے دوں میں
رَعِیَّت نہیں حکمراں کے برابر

اسرِ تمنا نہ ہوگا غنیؔ وہ
نہیں پیرِ دانا جواں کے برابر

○

مقدس ایک تیرا آستاں ہے
اسی کی چھت کے نیچے کُل جہاں ہے

بڑھی قیمت تِری ہمسائگی سے
بہت ہی قیمتی میرا مکاں ہے

نہیں آساں ہمیں تقسیم کرنا
غلط اندازہ اُس کا اور گماں ہے

جواب اُس کو نہیں دیتے کبھی بھی
تمہارے منہ میں بھی آخر زباں ہے

لگا دل بعد مُدّت کے کسی سے
وہی دل، بھی وہی اور جسم و جاں ہے

ضرور اس میں مِلا وٹ زہر کی ہے
غنیؔ، میٹھا مگر اس کا بیاں ہے

○

مرحلوں میں رہنے والا زندہ ہے
راستوں میں رہنے والا زندہ ہے

لوگ خوش ہوتے ہیں چہرے دیکھ کر
آئنوں میں رہنے والا زندہ ہے

دوستوں نے مار ڈالا ہے ہمیں
دشمنوں میں رہنے والا زندہ ہے

کشمکش ہی زندگی ہے اصل میں
مشکلوں میں رہنے والا زندہ ہے

تو بھلا دے خواب خوشیوں کے سبھی
تنگیوں میں رہنے والا زندہ ہے

○

بن گئیں آنکھیں بہانہ خوب ہے
یار تیرا آزمانا خوب ہے

موجِ دریا گا رہی ہے دیر سے
ایک ہی دُھن میں ترانہ خوب ہے

ہاتھ ہم سے وہ ملاتا ہی نہیں
غیر سے ملنا، ملانا خوب ہے

زیست حرکت کے سوا کچھ بھی نہیں
دل کی دھڑکن تازیانہ خوب ہے

شاخِ بالا پر بنایا تو نے جو
اے غنیؔ وہ آشیانہ خوب ہے

○

اُڑ رہا ابر کا کہیں ٹکڑا
مجھ کو لگتا ہے پُر یقیں ٹکڑا

یاد اُس کی طرارے بھرتی ہے
جست بھر ہے سفر زمیں ٹکڑا

باغ در باغ جھونکا خوشبو کا
خواب در خواب نیلمیں ٹکڑا

اُڑ رہا ہے دماغ خوشبو کا
جب سے دیکھا ہے مہ جبیں ٹکڑا

سانس کی بانسری پہ ساز عجب
تھاپ پر دل کی بہتریں ٹکڑا

وِرد اس کا لبوں پہ رہتا ہے
اور دل میں بھی جاگزیں ٹکڑا

○

چراغِ عقل لو دینے لگا تھا
بڑھاپے میں ہی جینے کا مزہ تھا

بہت پیچیدہ میرا مسئلہ تھا
کہاں چھوٹا کسی سے یا بڑا تھا

مرا خاکہ بگاڑا دوستوں نے
ہوا تعریف سے یہ فائدہ تھا

میں باہر ڈھونڈتا تھا اس کو لیکن
خزانہ میرے اندر ہی چُھپا تھا

اٹھا کر اُس نے سینے سے لگایا
کھلونا عشق میں بے دم پڑا تھا

○

سبز شاخ ہنر رہے گی سبز
سبز لکھے گی اور پڑھے گی سبز

سبز موسم ہے پیچ و بل کھاتے
پیڑ پر بیل بھی چڑھے گی سبز

لہر دوڑے گی ساتھ نظروں کے
خانۂ دل کو بھی کرے گی سبز

سبزہ سبزہ جئے گی سبز پری
ذائقہ زیست کا چکھے گی سبز

ٹوٹ جائیں گی خشک شاخیں غنیؔ
موڑنے پر غنیؔ مڑے گی سبز

○

نئی آواز میں نغمہ نکالا ہے
مِرے دل میں عجب شورِ تماشا ہے

قدامت کی روش کو چھوڑ کر میں نے
مہارت سے نیا رستا تراشا ہے

پڑے کنکر ہیں ہر جانب، گھڑا خالی
ہنر بے آب ہے، کوّا بھی پیاسا ہے

اسی کے دل میں جنت اور دوزخ بھی
بشر ہی دو جہانوں کا خلاصا ہے

ضرورت ہی نہیں مجھ کو دفاتر کی
کتابِ زندگی میرا اثاثہ ہے

○

بے پیئے ہی چڑھا خمار مجھے
کہ نہیں مے پہ اعتبار مجھے

سنترہ اور بہی جو پکتے ہیں
رُت خزاں بھی تو ہے بہار مجھے

پرورش کی ہے دشت نے میری
شیر ہوں خار و خس کچھار مجھے

پنجۂ باد، خونِ گل سے تر
قتل گہ ہے بھری بہار مجھے

لفظ کو لفظ سے ملاتا ہوں
دے ترقی پہ کاروبار مجھے

○

خدا خاموش ہے پر بیچتا ہے
قلندر آج بھی سر بیچتا ہے

کِیا ہے تنگ ہمسایوں نے اُس کو
یونہی کوئی بھلا گھر بیچتا ہے

بہت پہلے بکی دستار اس کی
سنا ہے آج وہ سر بیچتا ہے

پریشاں قرض داروں سے ہُوا کیا؟
وہ اپنے گھر کے پتھر بیچتا ہے

پڑی لت نشّے کی نوخیز بیٹا
چُھپا کر ماں کے زیور بیچتا ہے

بکا ہے کاٹھ سب اسکے مکاں کا
بچا ٹوٹا ہوا در بیچتا ہے

اڑانوں پر لگی پابندیاں پھر
پرندہ اپنے دو پر بیچتا ہے

○

بے نشاں ہوکے بھی نشان ہوئے
سنگِ بنیادِ ہر مکان ہوئے

فرد با اعتبارِ ذات مگر
چشم بینا میں کُل جہان ہوئے

کوئی منزل نہ ہی مسافر تھا
ہم سفر کا عجب بیان ہوئے

حرف تھا ہی نہیں کوئی اصلی
خاک ہم صاحبِ زبان ہوئے

اپنے ہی تیر کے ہدف تھے غنیؔ
خود ہی نفع خود ہی زیان ہوئے

○

اندھا ہوں میں، آنکھیں اُگی ہیں چھڑی سے
کہ مایوس ہر گز نہیں زندگی سے

ملوں گا میں فٹ پاتھ پر کھمبے کے پاس
گدا ہوں، پتہ پوچھ لو تم کسی سے

تکلّف کو سمجھے ہے سچ بے تکلّف
کہا اس نے مجھ کو ہے اپنا ہنسی سے

ہوئے منحرف کب روایت سے ہم لوگ
خدا بچائے ہمیں گمرہی سے

حرم سے ملے یا کہیں دیر سے وہ
ہمیں الغرض کام ہے روشنی سے

○

مجھ پہ بارش کسی خیال کی ہے
اور یہ ہریالی بھی کمال کی ہے

اِس میں حصّہ ہے مفلسوں کا بھی
یہ کمائی مِری حلال کی ہے

کھانے میں آئے گا مزہ یارو
بھوک ہم کو لگی کمال کی ہے

مِرے ہوتے ہُوئے ہے سایہ طویل
یہ علامت کسی زوال کی ہے

روشنی میں نہائے لگتے ہیں کون
دھوپ ہر سو ترے جمال کی ہے

○

چوم لی قبر میں نے سرمد کی
پار آخر ہر ایک سر حد کی

جی میں آتا ہے سرو سے لپٹوں
اللہ اللہ مشابہت قد کی

اک طرح کی یہی عبادت ہے
میں نے محبوب کی خوشامد کی

روز کس کا طواف کرتی ہے
یہ گھنی چھاؤں بوڑھے برگد کی

لوگ باہر کے بے خبر ہیں غنیؔ
شاعری بھی صدا ہے گنبد کی

○

نانِ جَو یا کباب سب یکساں
آب ہو یا شراب سب یکساں

ہم بھروسہ کبھی نہیں کرتے
کوئی تتلی کہ خواب سب یکساں

کرتے ہیں احترام ان کا ہم
دوست ہو یا کتاب سب یکساں

کیا کریں گے ترے علاوہ ہم
خار ہو یا گلاب سب یکساں

جو بھی حائل ہو درمیاں مزموم
ابر ہو یا نقاب سب یکساں

غنیؔ حاصل نہیں سکوں دل کو
روشنی یا حجاب سب یکساں

○

خوش ہوں ہر سال میں خسارے پر
باغ ہے راہ کے کنارے پر

جسم عجوہ کھجور سا شیریں
ساتھ کس کے تھا تُو شکارے پر

اڑ رہے تھے بلندیوں پر کیا
ہم غبارے تھے یا غبارے پر

پیار کے ذکر سے جگا دل کو
ایک احسان کر ہمارے پر

تجھ کو معلوم ہی نہیں شاید
جی رہا ہوں ترے سہارے پر

تُو ہی واحد حسین ہے ایسا
سب فدا ہیں ترے اشارے پر

○

جانتے تھے اسے سب حجر جو کہ تھا
راہ میں وہ اکیلا شجر جو کہ تھا

رہ گیا ساتھ منظر کے ناظر ترا
اب نہیں آئے گا وہ نظر جو کہ تھا

زندگی کا ہر اک مرحلہ تھا نیا
بھول بیٹھے ہیں وہ ہم سفر جو کہ تھا

اس کی صحبت غنیمت تھی، دولت عظیم
اب نہیں مل سکے گا وہ گُہر جو کہ تھا

دوستی، پیار، اُلفت سبھی چھن گئے
اب کہاں ہے وہ ماضی کا گھر جو کہ تھا

اب کہاں عزم وہ، ہمتِ رفتہ بھی
زندگی بار ہے دردِ سر جو کہ تھا

حوصلہ اب کہاں ہے وہ فولاد سا
ٹوٹ کر رہ گیا وہ جگر جو کہ تھا

○

شوق نے ابرو، نکیلے کر دیے
ہاتھ معشوقوں کے پیلے کر دیے

غم نے ڈھوڈھو کے تھی لائی مٹی کیا
عاشقوں نے اونچے ٹیلے کر دیے

باپ نے بیٹوں میں بانٹی جائداد،
بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کر دیے

ایک ہی اولاد تھی انسان کی،
سرغناؤں نے قبیلے کر دیے

زہر تو سقراط نے تھا پی لیا ،
ہونٹ اس نے میرے نیلے کر دیے

پہلے پہلے ہم بھی تھے شاطر غنی،
عشق نے اب پیچ ڈھیلے کر دیے

○

رنگ لایا ہے معلوم فاقہ مرا
گونج وہ سن رہے ہیں دھماکہ مرا

جانتا ہوں پرونا بھی اور سینا بھی
میں ہی بُنکر ہوں اور سوئی ناکہ مرا

ثالثوں کی ضرورت نہ تھی شکر ہے
ان کے قبضے سے نکلا یہ ڈھاکہ مرا

انگلی کو پکڑ کر چلایا جسے
کھینچتا ہے وہی شخص خاکہ مرا

کر رہا سازشیں ہے پڑوسی غیور
چھین لے گا کوئی پھر علاقہ مرا

○

نام میرے آخری وہ جام تک ☆کر ہی گیا
بے نیازِ شکوۂ ایام تک کر ہی گیا

بارشِ سنگِ ملامت کی نہیں پروا مجھے
مجھ پہ نازل کشف اور الہام تک کر ہی گیا

ریزہ ریزہ کر گیا آئینۂ مغرور کو
دل میں اک محشر بپا کہرام تک کر ہی گیا

عرش پر مسند نشینی بعد کی ہے بات یہ
وہ نیابت اپنی میرے نام تک کر ہی گیا

عکس اسکا کار فرما تھا میرے اندر غنی
میں فقط بیٹھا رہا وہ کام تک کر ہی گیا

☆ تک کر ہی گیا" کی معنوی جہت : یعنی کسی حد تک پہنچا کسی انجام تک لے آیا اور پھر چلا گیا۔

○

لوگ پابند ضابطوں میں رہے
تیرتے اپنے دائروں میں رہے

صحبتِ بد نے دکھایا ہے اثر
ایک مدّت سے جاہلوں میں رہے

دیر بس مٹکوں سے تھی نکلنے کی
مختصر وقت پیالوں میں رہے

ہم نہیں کرتے منزلوں کی بات
کہ مسافر تھے راستوں میں رہے

خوش بخوش ہیں سفارشی کیڑے
ہم جو قابل تھے فائلوں میں رہے

کون کرتا متن میں ذکر غنی
ہم کتابوں کے حاشیوں میں رہے

○

ہم سے وعدہ وفا کرے کوئی
ہاں، خدا سے ڈرا کرے کوئی

طرز غالب میں جو کہی ہے غزل
سن کے سر کو دُھنا کرے کوئی

تم سلامت رہو تو کیا غم ہے
مرنے کا حوصلہ کرے کوئی

شان میں فرق کچھ نہیں پڑتا
ہَجُو چاہے ثنا کرے کوئی

گل بدن وہ کتابِ قدرت ہے
کچھ نہ کچھ تَو پڑھا کرے کوئی

ہر گلی میں غنی ، وہ جلوہ گر
ہم سے لیکن حیا کرے کوئی

○

کہاں بے خوف جی سکی نیکی
ہم تو کہتے ہیں مر گئی نیکی

بھوک ڈاکو نے جان لی اس کی
پیٹ بھرتی اگر بڑی نیکی

دست بستہ ہے شر کے آگے ابھی
مشکلوں میں گھری ہوئی نیکی

میں نے ممبر کو تو نہیں توڑا
مجھ سے ناراض ہوگئی نیکی

شر نے گردن سے اسکو پکڑا تھا
بڑی مشکل سے پھر بچی نیکی

کئی ریوڑ کئی گڈریے غنی
جانتے ہی نہیں بڑی نیکی

○

خوشی ایک مالا غمی ایک مالا
لڑی اشکوں کی اجنبی ایک مالا

کوئی خواب بے خواب آنکھوں سے ٹپکا
حقیقت بھی ہے کانٹوں کی ایک مالا

بکھرتے گئے ایک اِک کرکے موتی
حقیقت میں تھی زندگی ایک مالا

ملی تھی وراثت میں انمول تحفہ
اچانک کہیں کھو گئی ایک مالا

غنیؔ یہ نتیجہ ہے غوطہ زنی کا
کئے جمع موتی، بنی ایک مالا

○

دلِ بے تاب سے باہر نہ آیا
وہ رُعب و داب سے باہر نہ آیا

دیا جلتا رہا رستے میں لیکن
مسافر خواب سے باہر نہ آیا

سمندر سے نہیں اس کا تعلق
وہ اک تالاب سے باہر نہ آیا

خطیب اپنا بہت شعلہ بیاں تھا
درِ محراب سے باہر نہ آیا

سراغ اسکا کتابوں میں ملے کب
کسی بھی باب سے باہر نہ آیا

غنی کھلتے نہیں آبِ رواں میں
کنول مرداب سے باہر نہ آیا

○

میرے ہمراہ ہے ہمسفر میرا
شہر سے کم نہیں کھنڈر میرا

صبح سے شام، شام سے تا صبح
ختم ہوتا نہیں سفر میرا

سب کے آنگن میں جھانکتا تھا وہ
ہر کسی نے کہا قمر میرا

میں نے سینچا لہو سے اپنے جسے
بے ثمر ہے وہی شجر میرا

دور سے دیکھنا ہی بہتر ہے
چاندنی میں دُھلا نگر میرا

سردمہریِ وقت سے اے غنی
راکھ میں چھپ گیا شرر میرا

○

جان باقی ہے وہ، حسیں ہے ابھی
تیرے کوچے میں ہی مکیں ہے ابھی

نہیں محتاج وہ کسی کا بھی
زندگی پر مگر یقیں ہے ابھی

ہوگئی عمر اس کو دیکھے مگر
اس کا چہرہ وہی جبیں ہے ابھی

کٹتے ہی عضو ہو گیا مردود
جسم کا حصہ وہ نہیں ہے ابھی

غنی خانہ بدوش تو نہ ہوا
پاؤں کے نیچے کچھ زمیں ہے ابھی

SULAGTA SAHRA

(100 Urdu Ghazals of Ghani Ghayoor)

Ghani Ghayoor

غنی غیور کی شاعری کا ایک لطیف پہلو طنز ہے۔ دراصل کبھی کبھار شاعر متناقص اور متخالف حالات سے براہ راست متصادم نہیں ہوتا بلکہ اسے اپنے پیرایۂ اظہار کو بدلنا پڑتا ہے۔ اسے ایسے حالات کیلئے Paradoxical سچویشن تیار کرنا پڑتی ہے۔ اور اس کے لئے طنز بہت موثر آلۂ کار ثابت ہوتا ہے۔ طنز کا یہ رویہ اگر بیان کی لطافت سے عاری ہو تو اس عمل سے پھوہڑ پن ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے لئے لسانی تہذیب سے بہرہ ور ہونا ضروری ہے۔ یہ اپنے جذبات اور احساسات قاری تک پہنچانے کا سب سے افضل طریقہ ہے۔ غنی غیور نہ صرف اس فضا میں سانس لیتے ہیں جس میں متناقص حالات کی چبھن ہے بلکہ ان میں ان حالات کے خلاف ردعمل ظاہر کرنے کا تخلیقی وطیرہ بھی پایا جاتا ہے۔ ان کے طنز کی کاٹ بہت دور تک وار کرتی ہے ؎

بہت مقبول منتر ہو گئے ہیں
کہ جوہڑ بھی سمندر ہو گئے ہیں

ترے گملوں میں اگتے ہیں ٹماٹر
ہمارے کھیت بنجر ہو گئے ہیں

سفر کرتے رہے اپنی طرح وہ
کہ دریا اب سمندر ہو گئے ہیں

ہمارے شہر کے جو آلسی تھے
وہ پیشہ ور قلندر ہو گئے ہیں

غنی غیور کی شاعری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ شاعری قاری پر جذباتی، نفسیاتی یا احساساتی سطح پر کوئی جبر نہیں کرتی۔ یہ شاعری قاری سے ایسے مکالمہ کرتی ہے گویا غنچے کی چٹک خوشبو کی سرگوشیوں میں ہواؤں سے کچھ کہتی ہے۔ اس مکالمے میں جذبات اور احساسات کی روداد کا زیر و بم شبنم کی سیکیوں سے اونچا نہیں۔ یہی وہ کیفیت ہے جو شاعری میں نشتر کا کام کرتی ہے۔ اور اس سے زیادہ کا تقاضا کرنا بھی شاعری سے واجب نہیں ؎

قلبِ غمگیں، دیدۂ گریاں تو دیکھ
قطرہ قطرہ ہے ٹپکتی جاں تو دیکھ

شوق آنکھوں کو ہے اڑنے کا مگر
پر نکالے صورتِ مژگاں تو دیکھ

شفق سوپوری

نوئیڈا (اتر پردیش)

۹ر فروری ۲۰۲۵ء

₹ 500/-
ISBN: 978-93-93271-48-8

MEEZAN PUBLISHERS
OPPOSITE FIRE SERVICES HEAD QUATERS,
BATAMALOO, SRINAGAR-190009, KASHMIR.
CELL: 9419002212, 8494002212, 7006773403
email: meezanbooks2020@gmail.com, meezanpublishers@gmail.com